مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۶	شعبان ۱۴۳۵ھ / جون ۲۰۱۴ء	جلد ۱۵

شب مبارک

شب براءت کی فضیلت

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے — زر سالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۳۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

(شب مبارك)

(شب براءت کی فضیلت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲	مقدمہ	۷
۳	لیلۃ المبارک ولیلۃ القدر	۸
۴	قابل قدر چیز	۱۱
	کید نفس	۱۲
۵	ایک نعمت عظمیٰ	۱۴
۶	برکت کی قسمیں	۱۶
۷	اشکال	۱۸
۸	جواب	۱۹
۹	منافع دنیا کے درجات	۱۹
۱۰	شب کا افضل حصہ	۲۱
۱۱	نفس کا خفی کید	۲۲

۱۲	فضیلت عبادت شب	۲۵
۱۳	ذرائع قرب ورحمت	۲۶
۱۴	رحمت خداوندی	۲۸
۱۵	شیطان کے مغالطات	۲۹
۱۶	سہولت کی تعلیم	۳۰
۱۷	عبادت شب برأت	۳۲
۱۸	تغافل ویکسوئی	۳۴
۱۹	مکروہات شب برات	۳۶
۲۰	بچوں کی عادتیں	۳۸
۲۱	اصلیت آتش بازی	۳۸
۲۲	شعبان کی فضیلت	۴۰
۲۳	حرام حلال کی تمیز	۴۲

وعظ

(شب مبارك)

(شب براءت کی فضیلت)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ مکان حاجی مبارک حسین صاحب تھانہ بھون میں ۱۳ شعبان ۱۳۳۶ھ کو دو گھنٹہ پندرہ منٹ تک بیان فرمایا۔ اسے حکیم محمد یوسف صاحب نے قلمبند کیا۔

شب براء ت کی فضیلت اور اس میں کی جانے والی عبادات کا تذکرہ فرما کر ان منکرات کی نشاندھی فرمائی جن میں عموما لوگ مبتلا ہیں۔ ’’لیلۃ القدر‘‘ اور ’’لیلۃ المبارکہ‘‘ دونوں میں نزول قرآن کا ذکر ہے اس میں بہترین تطبیق فرمائی عوام وخواص سب کے لئے یہ وعظ مفید ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۴/ مارچ ۲۰۱۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ حٰمٓ ○ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ○ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ○ فِیۡهَا یُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِیۡمٍ○ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ○﴾(۱)

یہ آیتیں سورۂ دخان کے شروع کی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب (۲) کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ ایک قول پر اس کی تفسیر اس رات سے بھی کی گئی ہے جو قریب آنے والی ہے یعنی شعبان کی پندرھویں شب۔ لیکن اگر یہ تفسیر ثابت بھی نہ ہو تب بھی اس رات کی فضیلت کچھ اس آیت پر موقوف نہیں احادیث سے اس کی فضیلت ثابت ہے۔ مگر یہ بات طالب علمانہ باقی رہی کہ اگر یہ تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر ''لیلۃ مبارکۃ'' سے کیا مراد ہوگا۔ سو دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے ''لیلۃ القدر'' مراد ہے۔ ''اسی کو لیلۃ مبارکۃ'' بھی فرما دیا گیا۔

(۱) سورۃ الدخان: ۱ تا ۵ (۲) قرآن کریم کو۔

بہرحال اس آیت کی تفسیر قریب آنے والی شب، شب برأت ہے جو شعبان پندرھویں رات ہے جو کل کا دن گزر کر آنے والی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس رات کے کچھ فضائل کا اور ان منکرات (۱) کا جو آج کل اس میں اختیار کئے جاتے ہیں ذکر کر دیا جاوے۔

لیلۃ المبارک ولیلۃ القدر

سو اس تفسیر محتمل (۲) پر حق تعالیٰ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے کتاب مبین (قرآن) کو اس برکت والی رات میں نازل کیا۔ اس واسطے کہ ہم منذر یعنی ڈرانے والے تھے۔ اسی انداز کے لئے قرآن نازل فرمایا۔ آگے اس رات کے بابرکت ہونے کی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس رات کی شان یہ ہے کہ اس میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر امر حکمت والے کا کہ وہ ہمارے پاس سے ہوتا ہے اور حکیم کی قید واقعی ہے (۳) احترازی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام امور باحکمت ہی ہیں ان میں کوئی بے حکمت نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کل امر حکیم سے مراد امور عظیم الشان ہیں یعنی بڑے بڑے کاموں کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے۔ باقی چھوٹے امور تو عرفاً بڑے امور کے ذکر سے وہ خود مفہوم ہو گئے (۴) پس بڑے امور اصالۃً اور چھوٹے امور تبعاً (۵) غرض سب امور آیت میں داخل ہو گئے۔ اب یہ شبہ رفع ہو گیا کہ روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ معظم امور (۶) فیصل ہوتے ہیں۔ وجہ

(۱) وہ ناپسندیدہ باتیں جو اس رات میں لوگ کرتے ہیں (۲) تفسیر میں معنی مذکور کے احتمال کی بنیاد پر اس کا مطلب ہے (۳) کل امر حکیم میں (۴) جب بڑے کاموں کا فیصلہ ہوتا ہے تو چھوٹے کاموں کا فیصلہ ہونا خود سمجھ میں آ گیا (۵) بڑے امور اصلاً اور چھوٹے تبعاً آیت میں داخل ہوئے (۶) بڑے بڑے کام۔

رفع یہ ہے (۱) کہ چھوٹے امور بڑوں کے تابع ہوکر فہم میں آہی جاتے ہیں۔

مشہور تفسیر اس آیت کی اکثر کے نزدیک یہ ہے کہ ’’لیلۃ مبارکہ‘‘ سے مراد لیلۃ القدر ہے، شب برأت مراد نہیں کیونکہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے: ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ کہ ہم نے قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل کیا اور یہاں فرمارہے ہیں کہ ہم نے لیلۃ مبارک میں نازل کیا اور یہ ظاہر ہے کہ نزول سے مراد دونوں جگہ نزول دفعی ہے (۲) تدریجی نہیں کیونکہ وہ تو ۲۳ سال میں ہوا اور نزول دفعی ایک ہی مرتبہ ہوا ہے اس لئے لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہوگی۔ یہ قرینہ قویہ ہے (۳) اس بات کا کہ یہاں بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے لیکن ایک قول بعض کا یہ بھی ہے کہ لیلۃ مبارک سے مراد شب برأت ہے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اس سے لازم آتا ہے کہ نزول دفعی (۴) دومرتبہ ہوتو اس کی توجیہ یہ ہے کہ نزول دفعی دومرتبہ بھی اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک رات میں حکم نزول ہوا اور دوسری میں اس کا وقوع ہوا(۵)۔ یعنی شب برأت میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان میں جو لیلۃ القدر آئے گی اس میں قرآن نازل کیا جائے گا پھر لیلۃ القدر میں اس کا وقوع ہوگیا اور یہ بات کلام میں شائع ذائع ہے (۶) کہ قرب کو وقوع کے حکم میں کردیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ میں مراد حقیقی نزول ہے کہ وہ لیلۃ القدر میں ہوا ہے اور انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ میں حکمی نزول ہے کہ شب برأت میں ہوا ہے اور دونوں راتیں ہیں قریب قریب اس لئے قرب نزول کو نزول کے حکم میں کردیا ہو۔

---

(۱) اشکال اس طرح دور ہوگیا (۲) ایک دم نازل کرنا ہے (۳) لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہونے کی یہ قوی دلیل ہے (۴) اکٹھا نزول (۵) ایک رات میں نازل کرنے کا حکم ہوا دوسرے میں نازل کیا گیا (۶) گفتگو میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے جس زمانے میں وہ فعل واقع ہوا اس کے قریب زمانے میں بھی اس کے وقوع سے تعبیر کرلیتے ہیں۔

بہرحال ظاہر تو یہی ہے کہ ’’لیلۃ مبارک‘‘ سے مراد شب قدر ہے مگر احتمال اس کا بھی ہے کہ شب برأت مراد ہو مگر جہاں تک اتفاق ہوا اور جو کتابیں نظر سے گزریں، ان میں کوئی حدیث مرفوع اس بارے میں نظر سے نہیں گزری۔ درمنثور میں بروایت ابن جریر ابن المنذ روابن ابی حاتم عکرمہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔ البتہ شب برأت کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اس میں تمام امور جیسے موالید ووفیات ورفع اعمال ونزول ارزاق فیصل ہوتے ہیں(۱) اس سے بعض سلف نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ’’لیلۃ مبارکہ‘‘ سے مراد یہی رات مراد ہے(۲) لیلۃ القدر(۳) مراد نہیں ورنہ اس رات کے برابر اس میں بھی واقعات کا فیصلہ ہونا لازم آئے گا۔ تو دو راتوں میں فیصلہ ہونے کے کیا معنی۔

دوسرے یہ کہ واقعات کا تو شب برأت میں فیصلہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ وہ کون سے واقعات ہیں جن کا فیصل ہونا شب قدر میں باقی رہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’لیلۃ مبارک‘‘ سے مراد شب برأت ہی ہے۔ پھر یہ کہ شب برأت میں ایک سال کے واقعات کا فیصل ہونا حدیثوں میں آیا ہے اور شب قدر سال گزرنے سے پہلے رمضان میں آجاتی ہے تو اس میں کیا مکرر(۴) فیصلہ ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں نکلتی ہیں کیونکہ عادۃً ہر فیصلہ کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تجویز ایک نفاذ۔ پس یہاں بھی یہی دو مرتبے ہوسکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تجویز تو شب برأت میں ہوجاتی ہے اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے اور ان میں کسی قدر فیصل ہونا بعید نہیں تجویز کو قدر کہتے ہیں اور حکم کے نافذ کردینے کو قضا کہتے ہیں کہ شب برأت میں تجویز ہوتی ہو اور لیلۃ القدر میں اسی کا

---

(۱) پیدائش وموت اعمال کا اٹھایا جانا رزق کے نزول وغیرہ کا فیصلہ ہوتا ہے (۲) پندرہ شعبان کی رات (۳) ستائیس ویں شب رمضان (۴) دوبارہ کس بات کا فیصلہ ہوگا۔

نفاذ ہوتا ہے۔ اس تقریر سے سارے اشکالات کا جواب ہوگیا غرض آیت میں "لیلۃ مبارکہ" سے مراد جو بھی ہو لیکن احادیث سے تو اس رات کا بابرکت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

قابل قدر چیز

یہ نعمت ہے خدا تعالیٰ کی، اس کی قدر کرنا چاہئے۔ دنیا میں اگر کسی ایسے کام کی خبر مل جاتی ہے جس میں منافع ہوں تو عقلاً اس کی کیسی قدر کرتے ہیں اور ذرا سے نفع کی بھی چیز ہو اس کو احتیاط سے رکھ چھوڑتے ہیں کہ کسی موقع پر کام آئے گی۔ مثل مشہور ہے۔ داشتہ آید بکار (رکھی ہوئی چیز کام آتی ہے)

مجھ کو ایک واقعہ یاد آیا جب میں حج کو گیا تھا تو لکھنؤ کی ایک ماما(۱) بھی حج میں تھیں جو کہ راستہ میں میرا کھانا پکاتی تھیں۔ وہ مدینہ طیبہ بھی گئی تھیں اور انہوں نے بڑی ہمت کی تھی کہ پیدل راستہ چل کر گئی تھیں۔ جب مدینہ طیبہ سے واپس آئیں تو ایک پتھر میرے سامنے پیش کیا میں نے کہا کہ یہ کاہے کے واسطے (۲) لائیں تو کہنے لگیں کہ مدینہ شریف سے نکل کر ایک پہاڑ پر یہ پتھر نظر آیا۔ میں نے خیال کیا کہ بڑا اچھا ہے اس کو لے چلو۔ چنانچہ لے آئی۔ میں نے کہا غضب ہے کتنی دور سے بوجھ لائی ہو یہ تو دو حیثیت سے متبرک ہے ایک تو یہ کہ مشقت کا ہے دوسرے مدینہ طیبہ کا ہے سو بنا(۳) پتھر کے اٹھانے کی یہ تھی کہ کام کی چیز تھی۔ بلا فرق ادنیٰ اعلیٰ(۴) سب میں کام کی چیز کی قدر ہوتی ہے۔

جب ہم دنیا کی چیزوں میں ذرا ذرا سی چیز کی قدر کرتے ہیں پھر تعجب ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کوئی قدر کی چیز بتلائیں اس کو ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ

(۱) کام کرنے والی عورت (۲) کس لئے اٹھا کر لائیں (۳) پتھر اٹھا کر لانے کی وجہ (۴) بڑے چھوٹے کی تفریق کے بغیر ہر شخص کام کی چیز کی قدر کرتا ہے۔

ہمیں ان تاریخوں میں جاگنے کی بہت کم توفیق ہوتی ہے۔ خصوصاً طلباء کو وہ تو یوں کہہ کر ختم کر دیتے ہیں رات کی عبادت کے علاوہ اور بھی تو بہت سے کام ثواب کے ہیں سووا بھی (۱)۔ اللہ میاں کے یہاں استغفار بھی تو ہے وہی پڑھ لیں گے یا اور کوئی نیک کام کرلیں گے اپنے دل میں اس قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں اکثر طالب علمی میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ مستحبات کی قدر نہیں رہتی جب تک میں نے منیۃ المصلی (۲) نہیں پڑھی تھی تو نفلیں پڑھا کرتا تھا۔ جب منیہ پڑھی اور اس میں میں نے مستحب کی تعریف پڑھی تو نفس کی قید میں آ کر یہ خیال ہوا کہ اگر امر مستحب نہ کریں گے تو کچھ مواخذہ (۳) تو ہوگا ہی نہیں۔ اس لئے بہت سے ایسے مستحبات ترک ہونے لگے واقعی ہماری یہ حالت ہے۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبری کنند چوں بخلوت می رسند ایں کار دیگر کنند
مشکلے دارم زادانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند (۴)

کید نفس

نفس نفس میں عجیب عجیب کید ہیں (۵)۔ حتیٰ کہ یہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں تعجب نہیں کہ اس میں بھی نفس کی شرارت ہو۔ احتمال ہے کہ اس میں بھی نفس نے کید کر رکھا ہو کہ اپنی کوتاہیاں ظاہر کر کے اپنے صدق (۶) کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ نفس سے کسی وقت مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ نفس کی تو یہ حالت ہے۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است (۷)

(۱) فی الحال تو سو جاؤ (۲) فقہی مسائل کی کتاب ہے (۳) پکڑ تو ہوگی نہیں (۴) واعظین محراب و ممبر پر کھڑے ہو کر کیا باتیں کرتے ہیں جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو دوسری باتیں کرتے ہیں بڑی مشکل میں ہوں کہ مجلس کے دانشمند حضرات جو دوسروں کو توبہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں خود توبہ نہیں کرتے (۵) شرارت (۶) سچائی (۷) نفس تو ایک سانپ ہے جو مردہ ہوا پڑا ہے آلات نہ ہونے کے غم سے افسردہ ہے۔

اس کا کشتہ (۱) اور گرفتار کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ یہ مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے خرابی میں ڈالا تھا۔ وہ بالذات تو بدذات نہیں تھا نفس ہی کے کید میں آ کر بدذات ہوا(۲)۔تو یہ شیطان کا بھی باپ ہوا۔اسی لئے یوسف علیہ السلام حالانکہ نبی ہیں فرمارہے ہیں (ان النفس لامارة بالسوء الا من رحم ربی) یعنی اصل بات تو یہی ہے کہ نفس فی ذاتہ امارہ بالسوء ہے(۳)۔مگر جس کو اللہ میاں اپنی رحمت سے محفوظ رکھیں جیسے انبیاء وہ مستثنیٰ ہیں اگر عوارض کی وجہ سے نفس اپنے کیود سے (۴) باز بھی رہے، تو عوارض کے اٹھ جانے پر پھر وہی حالت ہوگی اس لئے نفس کا کید مثل فطرت کے ہوگیا چاہے انسان مقامات ولایت میں بڑی دور تک بھی پہنچ جائے مگر نفس سے نجات نہیں ہے اس سے تو ہمیشہ سوء ظن ہی چاہئے کہ احتیاط سوء ظن ہی ہے چنانچہ مشہور ہے الحزم سوء الظن ۔(۵)

اس کی تفسیر میں ہمارے حضرت نے فرمایا تھا کہ بنفسہٖ یعنی دانائی واحتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن ہی رکھے کسی وقت مطمئن نہ ہو ہمیشہ کھٹکتا رہے اگر چہ حکماء نے اس جملہ کے دوسرے معنی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے احتیاط رکھے چاہے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو۔اور معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے۔(۶)

چنانچہ یوسف علیہ السلام سے زیادہ کون ہوگا مگر وہ پھر بھی اپنے نفس سے بدگمان تھے اور جب اکابر نفس سے احتیاط کرتے رہے حالانکہ نفس ان سے بعید تھا تو

---

(۱) اس کو مارنا اور پکڑنا (۲) وہ اپنی ذات سے تو برا نہیں تھا نفس کے بکاوے میں آ کر برا بن گیا (۳) برائی کا حکم کرنے والا (۴) کسی رکاوٹ کی وجہ سے نفس اپنے مکر سے باز رہے (۵) بچاؤ برا خیال کرنے ہی میں ہے (۶) دوسروں سے اچھا گمان اپنے نفس سے برا گمان رکھنے۔

ہم لوگوں سے تو نفس بہت ہی قریب ہے ہم کو بہت احتیاط چاہئے خصوص طالب علموں کی تو یہ حالت ہے کہ جہاں کسی عمل کے استحباب (۱) کا حکم معلوم ہوا بس فضائل کو چھوڑ دیا جہلاء سو مستحبات کو کر بھی لیتے ہیں مگر لکھے پڑھے بالکل نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ بس یہ نفس کا بڑا کید ہے جس نے اہل علم کو بہت سی برکات سے محروم کر رکھا ہے اس سے بچنا چاہئے اور مستحبات وفضائل کی بھی بے قدری نہ کرنا چاہئے۔

ایک نعمت عظمیٰ

چنانچہ یہ رات جو آنے والی ہے یہ بھی بہت قابل قدر ہے اس سے محروم نہ رہنا چاہئے بلکہ اگر لیلۃ القدر باعتبار معنی لغوی کے لیا جاوے تو ہر رات لیلۃ القدر اور قابل قدر ہے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

اے خواجہ چی پرسی زشب قدر نشانی　　　ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی (۲)

صاحبو! ہر روز نعمت ہے اور ہر رات دولت ہے حدیث شریف میں ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد خدا تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں دنیا ہمارا گھر ہے اور زمین فرش ہے اور گویا آسمان اول دنیا کی چھت ہے اور سقف بیت جزو (۳) بیت کہلاتی ہے تو گویا حق سبحانہ تعالیٰ ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہم کو یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ ؎

امروز شاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا　　　جبریل با ملائک درباں شدہ است مارا (۴)

---

(۱) یہ عمل مستحب ہے (۲) اے بھائی شب قدر کی نشانی کیا پوچھتے ہو ہر رات شب قدر ہے اگر اس کی قدر کرو (۳) گھر کی چھت گھر کا جزء کہلاتی ہے (۴) آج احکم الحاکمین میرے مہمان ہیں جبرئیل مع فرشتوں کے میرے دربان ہیں۔

غرض شہنشاہ ہر روز ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور متوجہ ہیں اور وعدے فرماتے ہیں۔ ایک اور لطف دیکھئے اگر ہم کسی دوست کے دروازے پر جائیں خصوصاً مریدین کے دروازہ پر کہ وہ بھی اہل اللہ کے نزدیک ان کے دوست ہی ہیں خادم نہیں ہیں جیسا آج کل مغرور پیروں نے خیال کر رکھا ہے کہ مریدین کو اپنا خادم سمجھتے ہیں اور وہ گھر والے ہم سے نہ بولیں تو یقیناً ان سے بیزار ہو جائیں اور اگر بیزار بھی نہ ہوں تو اس قدر شکایت ضرور کریں گے کہ ہم سے بولے کیوں نہیں اور اگر وہ سوتے ہوں تو کہیں گے ایسا بھی کیا سونا ہے کہ ہمارے آنے کا کچھ بھی خیال نہ کیا پچاس جرم قائم ہو جائیں گے خصوص اگر کہلا بھی بھیجا ہو کہ ہم تمہارے گھر آدھی رات کے بعد آئیں گے تو اس صورت میں ان مریدوں کو سونے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسے پیروں کو اپنے حقوق پیش نظر رہتے ہیں اگرچہ وہ حقوق وہمی ہی کیوں نہ ہوں اور واقعی اہل اللہ جو ہیں ان کی حالت دیکھئے حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان کے قدموں کی زیارت کو موجب نجات جانتا ہوں کیونکہ وہ یقیناً اچھے ہیں اور ان کے اچھے ہونے کی میرے پاس دلیل ہے۔ وہ یہ کہ وہ میرے ساتھ باوجود میرے ناچیز ہونے کے حسن ظن رکھتے ہیں۔

غرض ہماری تو یہ حالت ہے کہ حقوق وہمیہ (۱) کی کمی پر بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کو خیال کیجئے کہ باوجود اس کے ان کے حقوق واقعی ہیں مگر آپ کی تشریف آوری کی خبر دینے کے بعد بھی تشریف لا کر ہم کو سوتا ہوا دیکھ کر بھی ناراض نہیں ہوتے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس بندہ نے ایک مستحب ہی تو

(۱) فرضی حقوق۔

ترک کیا ہے۔ اللہ میاں ہم کو بے مروتی کا الزام بھی نہیں دیتے کیا ٹھکانا ہے اس رحم کا (خلاصہ مطلب اس تقریر کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی دوست یا مرید کے مکان پر جائیں اور وہ نہ بولے تو ہم کتنے برہم ہوں اور حق تعالیٰ ہمارے گھر روزمرہ تشریف لاتے ہیں اور ہم اس وقت پڑے سوتے رہتے ہیں مگر وہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر ناراض نہیں ہوتے) اس عنایت کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہم سب کچھ کرتے اس واسطے کہ جو آقا کبھی کچھ نہ کہتا ہو اس کے سامنے تو پگھل جانا چاہئے[1]۔ تو گویا ہر شب شب قدر اس معنی کو ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر روز ہماری طرف متوجہ برحمت ہوتے ہیں۔ اور جو رات آنے والی ہے (پندرھویں شب شعبان) اس کے تو خاص فضائل آئے ہیں اس معنی کر اس کو مبارک کہنا درست ہے گو احادیث میں مبارک کا لفظ نہیں اور قرآن میں اگرچہ آیا ہے مگر یہ تفسیر خود محتمل ہے[2] مگر یہ احتمال اس لقب میں مضر نہیں کیونکہ برکت کی حقیقت ہے کثرت نفع۔ اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا[3] ثابت ہو جائے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا۔ پس احادیث میں جو فضائل اس رات کے مذکور ہوئے ہیں جب ان سے کثیر النفع ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا گو مبارک کا لفظ نہ وارد ہوا ہو۔

برکت کی قسمیں

اب برکت کی مناسبت سے اس کے متعلق کچھ ضروری بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی ایک اخروی آج کل مدعیان ترقی کو ہمارا ممنون ہونا چاہئے کہ منافع دنیوی کی تحصیل سے منع نہیں کرتے اتنا فرق ہے کہ ہم

(۱) اس کے سامنے تو مٹ جانا چاہئے (۲) اس تفسیر کا احتمال ہے تفسیر متعین نہیں (۳) جس چیز میں نفع زیادہ ہو اس کو مبارک کہنا درست ہے۔

اس کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ ترقی کے لفظ سے اگر وہ اسی لفظ کو اختیار کر لیتے تو اچھا تھا ترقی کے لفظ کو اختیار کر کے انہوں نے علماء کو اپنا مخالف بنالیا کیونکہ انہوں نے اس کے معنی میں کوئی قید نہ رکھی۔

مگر ہماری مخالفت ان سے ایسی ہے جیسے باپ کو بچہ کے ساتھ ہوتی ہے کہ جب بچہ بے راہ روی (۱) اختیار کرتا ہے تو باپ اس کا مخالف ہوتا ہے اور اس کو مارتا بھی ہے یا جیسے ماں بیمار بچہ کی مخالف ہوتی ہے کہ بچہ اپنی طبیعت کے موافق غذائیں مانگتا ہے مگر ماں اس کو نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ضد کرنے پر اس کو مارتی بھی ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں مثالوں میں دو قسم کے ضرر متعارض ہیں (۲) ایک اہون اور ایک اشد (۳) ماں باپ اشد الضرر میں سے بچانے کے لئے اہون (۴) کو اختیار کرتے ہیں اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر جمع ہوں ایک اشد اور دوسرا اہون تو اہون کو اختیار کر لینا چاہیے۔ (۵)

مثلاً باپ نے جو بے راہی (۶) کرنے پر بچہ کو مارا تو یہ بھی بچہ کے حق میں ایک درجہ کا ضرر (۷) ہے اور دوسرا ضرر یعنی بے راہی اس سے اشد ہے کیونکہ اگر بچہ بے راہی اختیار کئے رہا تو اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ مثلا وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے کہ اس سے آئندہ اس کو بہت ضرر ہوگا اور یہ ضرر پہلے سے اشد ہے اس لئے باپ نے اہون کو اختیار کیا تا کہ بچہ اشد الضررین سے محفوظ رہے۔ (۸)

اسی طرح ماں جو بیمار بچہ کو مختلف غذاؤں سے روکتی ہے حالانکہ یہ بچہ کے حق میں ایک گونہ ضرر ہے مگر ماں اس کو اختیار کرتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں

---

(۱) آوارگی (۲) دو قسم کے نقصانات ہیں (۳) ایک ہلکا ایک سخت (۴) بڑے نقصان سے بچانے کے لئے چھوٹے نقصان کو اختیار کرتے ہیں (۵) اصول بھی یہی ہے کہ اگر دو نقصان پیش نظر ہوں تو ہلکے کو اختیار کرے (۶) آوارگی (۷) نقصان (۸) بڑے نقصان سے بچ جائے۔

بھی دو قسم کے ضرر جمع ہیں ایک اشد اور دوسرا اہون۔ اہون ضرر تو غذا سے روکنا ہے اور اشد ضرر وہ ہے جو غذا کے دینے سے ہوگا وہ یہ کہ اگر بچہ کو اس کی منشا کے موافق غذا دی جائے گی تو بیماری بڑھے گی اور ہلاکت تک نوبت پہنچے گی۔ اس لئے وہ اہون الضررین کو اختیار کرتی ہے۔

اسی طرح ہم اس کو مانتے ہیں کہ بعض مشورے ہمارے ایسے ہیں کہ ان سے دنیا کا ایک گونہ ضرر ہے مگر چونکہ وہ ضرر اہون ہے(۱) کہ جو آزاد چھوڑ دینے پر پیش آنے والا ہے اس لئے اشد الضررین سے بچانے کے لئے اہون کو اختیار کیا گیا ہے(۲) اور وہ ضرر اشد کیا ہے وہ دین کی خرابی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی ضرر نہیں اگر اس کا نام مخالفت ہے تو باپ اور ماں اور استاد سب مخالف ہیں اور واقع میں اہون کو اختیار کرنا تو اصلاح ہے، مدعیان ترقی نے ہمیں خواہ مخواہ مخالف سمجھ لیا ہے ہم کو ماحی (۳) ترقی کہتے ہیں مگر واقع میں ہم ماحی نہیں۔ ہم تو ایسی ترقی کے حامی ہیں کہ سات پشت تک اس کی برکت چلی جاوے اور ان کے پاس اپنے دعوے پر کہ ان کی ترقی حقیقی ترقی ہے کوئی دلیل نہیں اور ہمارے پاس قرآن وحدیث سے دلیل موجود ہے مگر ہم ان الفاظ سے بچتے ہیں جو قرآن وحدیث میں نہیں ہیں اور اس لفظ کو اختیار کرتے ہیں جو قرآن میں ہے۔ وہ کیا ہے، برکت ہے۔ جس کی حقیقت ہے کثرت خیر۔

اشکال

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تم قرآن وحدیث سے تو صرف ترقی دین کی ثابت کرو گے ترقی دنیا کا ثبوت کہاں ہے؟

(۱) چھوٹا نقصان ہے (۲) بڑے نقصان سے بچانے کی وجہ سے چھوٹے کو اختیار کیا (۳) ترقی کو مٹانے والے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ ہم ترقی دنیا کو بھی قرآن و حدیث ہی سے ثابت کرتے ہیں۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں دنیا کے لئے بھی لفظ برکت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے حضرت انس h کے لئے ان کے مال اور اولاد میں برکت ہونے کی دعا فرمائی تھی اس سے ثابت ہوا کہ ایک صحابی کو حضور نے ترقی دنیا کی دُعا دی تھی۔اب لوگ خوش ہوئے ہوں گے کہ یہ بات تو ہمارے مطلب کی بتلادی۔

منافع دنیا کے درجات

تو خوب سمجھ لیجئے کہ منافع دنیا کے دو درجے ہیں ایک وہ کہ جس میں ضرر نہ ہو دین کا اور دوسرا وہ کہ جس میں ضرر ہو دین کا۔مولوی پہلی ترقی کے حامی اور دوسری کے ماحی ہیں جیسا کہ گورنمنٹ کو باوجود یکہ حامی ترقی دنیا کہا جاتا ہے اور گورنمنٹ ہی کا قانون ہے کہ ڈکیتی بڑا جرم ہے حالانکہ وہ بھی ترقی ہے اور ترقی بھی کیسی کہ ایک رات میں آدمی مالا مال ہوجاوے مگر گورنمنٹ اس ترقی کی حامی نہیں بلکہ ماحی ہے[1]۔

صاحبو! وہی قاعدہ تو مولویوں نے اختیار کیا ہے کہ بعضی ترقی کے حامی ہیں اور بعضی ترقی کے ماحی یعنی جو ترقی مضر دین نہ ہو اس کے حامی ہیں اور جو مضر ہو اس کے ماحی ہیں۔بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی بات اگر مولوی کریں تو وہ مردود ہو اور وہی بات گورنمنٹ کرے تو مقبول ہو۔بات تو دونوں جگہ ایک ہی ہے مگر حیرت ہے کہ ایک جگہ مقبول ہو اور دوسری جگہ مردود ہوجائے۔

(۱) مٹانے والی ہے۔

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دو طالب علم معقولی تھے اور تھے دونوں حقیقی بھائی۔ ایک نے دوسرے کو ماں کی گالی دی۔ کسی نے کہہ دیا کہ وہ تیری بھی تو ماں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو اس حیثیت سے گالی دیتا ہوں کہ یہ اس کی ماں ہے اس حیثیت سے نہیں دیتا کہ میری ماں ہے یہی صورت یہاں بھی ہے کہ بات تو ایک ہی ہے مگر مولوی کی طرف منسوب ہونے سے تو مردود اور گورنمنٹ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے مقبول غرض حدیث سے ثابت ہے کہ دنیوی ترقی بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے خیر یہ تو یہاں بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے۔

اب میں پہلے ہی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آیت میں اس شب کی علی سبیل الاحتمال (۱) اور حدیث میں علی سبیل الجزم (۲) برکت کی تفصیل بھی فرماتے ہیں چنانچہ آیت میں ارشاد ہے کہ ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ یعنی یہ بھی ایک برکت ہے کہ اس شب میں تمام امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے تمام امور میں سب چیزیں آ گئیں صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ دنیوی امور بھی اس میں داخل ہیں۔ مثلاً اس کھیت میں اتنا پیدا ہوگا، جنگ ہوگی، فتح ہوگی۔ اتنا پانی برسے گا غرض سب امور کا فیصلہ و انتظام ہوتا ہے یہ سب انتظام برکت میں داخل ہو گیا سو ایک فرد تو یہ ہے برکت کی۔

دوسری برکت دینی ہے جو احادیث میں مذکور ہے کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہوتی ہے تو حق تعالیٰ اول شب سے آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ یہ خصوصیت اس رات میں بڑھی ہوئی ہے یعنی اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں نزول ہوتا ہے اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں یہ بھی وجوہ

---

(۱) اس تفسیر کا احتمال ہونے کی بناء پر (۲) حدیث میں خصوصیت سے برکت کا ذکر ہونے کی بنا پر۔

برکت میں سے ایک وجہ ہے برکت کی۔ اس کی قدر وہ کرے گا جس میں مادہ محبت کا ہو اس کو ایک ایک لمحہ غنیمت معلوم ہوگا وہ تو محبوب کی طرف سے پانچ منٹ بڑھا دینے کو بھی بہت غنیمت سمجھے گا یہاں دو ثلث شب (۱) کے بڑھ گئے یہاں اضافہ اصل سے بھی زیادہ ہوگیا۔ مجموعہ دونے سے بھی بڑھ گیا۔

شب کا افضل حصہ

اب بات قابل غور یہ ہے کہ کون سے حصۂ شب میں جاگنا زیادہ افضل ہے اس کا فیصلہ قرآن سے بھی ہوتا ہے اور حدیث سے بھی کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر شب میں جاگنا اشد ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً﴾ بے شک رات کے جاگنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ اور ناشئۃ اللیل سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے (کذا فی الجلالین القیام بعدالنوم) جب وہ اشد ہوا کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا آخر سورت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد ہے چنانچہ فرماتے ہیں علم ان لن تحصوہ اس کو معلوم ہے کہ تم ضبط نہیں کر سکتے۔

اور عدم احصاء آخر شب میں ہوسکتا ہے۔ یہ تو قرآن سے معلوم ہوا حدیث سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ آخر شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں اور قواعد عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے اور سونا ترک کرنا مشکل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو اٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی

---

(۱) دو تہائی۔

بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخیر حصہ رات کا افضل ہے۔

لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو وہ اول ہی حصہ میں کچھ کر لے کیونکہ اور راتوں میں تو خدا تعالیٰ کا نزول اخیر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول ہی شب سے نزول ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو اخیر شب میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اول ہی شب میں عبادت کر کے فضیلت حاصل کر لیں جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عشاء ہی تک عبادت میں مشغول رہیں اور یہ نفس کا ایک کید ہے (۱) جہاں آدمی ثواب کا قصد کرتا ہے تو وہ اس کو حیلہ سے روکنا چاہتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر وسوسہ ڈالتا ہے کہ اخیر شب میں زیادہ فضیلت ملے گی اس لئے اخیر ہی میں جاگنا چاہئے، اول میں جاگنے سے کیا فائدہ سو اول شب سے تو یوں محروم رہے جب اخیر شب ہوئی اٹھا نہ گیا۔ دونوں طرف سے محرومی ہوئی پوری کے پیچھے لگ کر ادھوری بھی گئی۔

نفس کا خفی کید

ایک خفی کید نفس کا بعض کے لئے اس صورت میں یہ بھی ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو حظ ہوتا ہے اس لئے بعضے آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اخیر شب ہی جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس امتیاز میں حظ ہو۔ سو یہ عجب ہے اور عجب ایسی بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا ہے سلف نے تو معاشرت تک میں اس کا اہتمام کیا ہے کہ اپنی نظر میں پسندیدہ نہ ہوں۔

چنانچہ حضرت علی h کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بار کرتہ پہنا اس کی

(۱) نفس کی چالاکی۔

آستینیں خوبصورت معلوم ہوئیں آپ نے انکو فوراً تراش ڈالا(۱) کہ بدشکل ہو جاویں آج کل اگر کوئی ایسا کرے تو مجنونوں میں شمار ہوگا اس کو دیوانہ کہیں گے مگر واقعی بات یہ ہے کہ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　مرعسس رادید درخانہ نہ شد(۲)

لوگ اہل اللہ پر ہنستے ہیں وہ بھی ایک دن ان پر ہنسیں گے چنانچہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کے ہنسنے پر فرمایا تھا ﴿اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ (۳)

اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو اور اس وقت ہنسنے والوں کی یہ حالت ہوگی۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　افرس تحت رجلک ام حمار

''عنقریب تم دیکھ لوگے جب کہ غبار ہٹ جائے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا''

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ہم میں اور صحابہ j میں کیا فرق ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر صحابہ j آج کل لوگوں کو دیکھتے تو وہ ان کو کافر سمجھتے اور یہ ان کو پاگل اور سڑی(۴) خیال کرتے واقعی آج تو کوئی کرتہ پھاڑ کر پہن لے تو لوگ کہیں گے کہ کیا پاگل ہو گئے حضرت علی h نے یہ اس لئے کیا تھا کہ اپنی نظر میں اچھے نہ معلوم ہوں۔

حضرت عمر h کو کسی نے مسلمانوں کے گھروں میں پانی بھرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں فرمایا کہ میں اس وقت اپنے نفس کا علاج کر رہا

(۱) کاٹ ڈالا (۲) وہ پاگل ہے جو محبوب کے گھر کے چوکیدار کو دیکھتے بیقرار نہ ہو جائے اگرچہ ابھی اس کے گھر میں داخل نہیں ہوا (۳) سورۃ ھود: ۳۸ (۴) پاگل اور سودائی۔

ہوں اس وقت دو شخص ہرقل کی طرف سے میرے پاس آئے تھے اور میرے عدل کی تعریف کی جس سے نفس خوش ہوا میں نے اس کا علاج کیا ہے۔

اس پانی بھرنے پر ایک واقعہ یاد آیا۔ گنگوہ میں ایک حافظ علی حسن تھے حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت تھے۔ نماز تو ایسی طویل عریض پڑھتے تھے کہ دیکھی ہی نہیں۔ آج کل تو ذرا سی عبادت کر کے ولایت پر رجسٹری ہو جاتی ہے خواہ جعلی ہی رجسٹری کیوں نہ ہو مگر وہ اس سے بھی محفوظ تھے لیکن چونکہ وہ عالم نہ تھے اس لئے اتنی کمی تھی کہ امامت میں ہی ایسی ہی طویل عریض نماز پڑھتے تھے جس سے لوگ گھبرا جاتے تھے یہ واقعی غلطی تھی مگر شاید وہ مکلّف بھی نہ ہوں کیونکہ بھولے بہت تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ ترکاری لینے گئے کنجڑے(۱) نے کہا کہ حافظ جی میں نے تمہیں بہت سی ترکاری دے دی ہے ایک پیسہ میں آنہ کا مال دے دیا حافظ صاحب اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ٹھگ لیا جلدی بھاگ چلو۔ کہیں کنجڑا چھین نہ لے ان حافظ صاحب کے محلے میں ایک دفعہ سقہ (۲) بیمار ہو گیا۔ لوگوں کو پانی کی تکلیف ہونے لگے۔ حافظ جی اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ بھائی ایک مشک بنا لے اور محلّہ میں تو ہی پانی بھر دیا کر لڑکے نے بہت برا مانا حالانکہ دیکھا جائے تو مشک اور پیالہ میں تو فرق ہی کیا ہے پیالہ میں دوسروں کو بھی پانی پلا دیتے ہیں صرف عرف ہو گیا کہ پیالہ میں پانی پلانا عیب نہیں اور مشک لئے پھرنا عیب ہے مگر حافظ علی حسن صاحب کو عیب نہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ ان میں عجب نہ تھا وہ اپنی کچھ شان ہی نہ سمجھتے تھے اور لڑکے میں عجب تھا وہ اس کو عیب سمجھا۔

غرض جب عمل شاق میں عجب کا احتمال قوی ہو تو ایسے موقع پر عمل شاق کا انتظار نہ کرے اس کا بالکل اہتمام نہ کرے کہ ہیئت ممتاز ہی ہو کسی نیکی کو جو بھی میسر

(۱) سبزی فروش (۲) ماشکی۔

ہوجاوے حقیر نہ جانے دوسرے کی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھے پڑوسی کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ جانے اسی واسطے حدیث میں ہے کہ اگر پڑوسی کے یہاں سے بکری کی کھری بھی ہدیہ میں آئے تو اس کو حقیر نہ جانے۔

صاحبو! ہر وقت بڑے نفع کے انتظار کی ضرورت نہیں اگر مٹکا نہ ملے تو کیا گھڑا بھی چھوڑ دے طلب کی تو یہ شان ہونی چاہئے۔

مرا از زلف تو موئے بسند است　　ہوس را راہ مدہ بوئے بسند است (۱)

شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں یہ شعر اس حدیث کے بعد جس میں آیا ہے کہ حضورﷺ نے حج کے موقع پر بال ترشوائے تھے اور تقسیم کرائے تھے، لکھ کر فرمایا کہ یہ حضور اقدسﷺ کے اجزاء شریفہ کے ذکر و یادداشت کا باعث تو ہوگیا گویا بوئے بسند ست کا یہ بھی ایک مصداق ہوگیا۔ واقعی بڑے صاحب دل تھے غرض یہ ہے کہ جو بھی مل جائے غنیمت سمجھے اس کا انتظار نہ کرے کہ اخیر شب ہی کی فضیلت ملے۔

فضیلت عبادت شب

یہاں سے ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا راز بھی معلوم ہوگیا کیونکہ اس اختلاف میں کوئی قول تو آسان ضرور ہوگا اس کو لینے والا بھی دین ہی کا لینے والا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جو اپنے نیک بندوں کی شان میں فرمایا: ﴿تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ کہ جدا ہوتی ہیں کروٹیں ان کی خواب گاہوں سے علماء میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد اخیر شب میں تہجد کے لئے اٹھنا ہے یا عشاء کی

(۱) میرے لئے تیری زلف کا ایک بال بھی بطور سند کافی ہے زیادہ کی ہوس نہیں ہے صرف تیری خوشبو ہی کافی ہے۔

نماز ہے بعض نے تہجد مراد لیا ہے اور بعض نے دوسرے معنی لئے ہیں جس صورت میں تہجد مراد ہوگا تو اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ علیحدہ ہوجاتی ہیں کروٹیں ان کی خواب گاہوں سے یعنی نیند سے اٹھ کر عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اگر عشاء کی نماز مراد ہو تو یہ ترجمہ ہوگا کہ علیحدہ رہتی ہیں کروٹیں ان کی خواب گاہوں سے یعنی جب تک عشاء سے فارغ نہ ہولیں سوتے ہی نہیں اختلاف سے کتنی آسانی ہوگئی کہ جو شخص بدون عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے نہ لیٹے اور یہ خیال کرے کہ میں بھی اس آیت میں داخل ہوں وہ بھی اس ثواب کا مستحق ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو حدیث شریف میں وارد ہے (انا عند ظن عبدی بی)(۱) تو وہ بھی اس میں داخل ہوجائے گا جو شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو تہجد ہی کا ثواب دے دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی بنا(۲) اس ظن کی ہونی چاہئے۔

ذرائع قرب ورحمت

انا عند ظن عبدی بی کے متعلق ایک واقعہ یاد آیا وہ یہ کہ یحییٰ بن اکثم جو امام بخاری کے شیخ ہیں جب انتقال ہوا تو ایک شخص نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری فرمایا مواخذہ شروع ہوگیا تھا اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بڈھے تو ایسا ایسا کرتا تھا میں سہم گیا اور خاموش ہوگیا سوال ہوا کہ خاموش کیوں ہوگئے میں نے عرض کیا کہ ایک بات سوچ رہا ہوں۔ پوچھا گیا کیا سوچ رہے ہو عرض کیا میں نے بسند حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سنا تھا۔

ان اللہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم (۳) کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے

---

(۱) میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں (۲) اس گمان کی کوئی بنیاد ہونی چاہئے

(۳) مجمع الزوائد للھیثمی: ۱۰/ ۱۴۹ کنز العمال: ۴۴، ۴۲/۔

مسلمان سے حیاء فرماتے ہیں ۔ تو میں حیران ہوں کہ میں تو بوڑھا ہوں مگر یہاں دوسرا معاملہ ہورہا ہے اس پر ارشاد ہوا کہ ہمارے رسول ﷺ نے سچ کہا اور راوی بھی سچے ہیں آج تیرے بڑھاپے کی بدولت بخشتے ہیں اور تیرے بڑھاپے کا لحاظ کرتے ہیں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ خواب وہی معتبر ہے جو کسی حجت شرعیہ کے معارض نہ ہو جیسا یہ خواب ہے۔

ایک اور شخص کا قصہ ہے جو نہایت مسخرہ تھا اس نے مرنے کے وقت اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ جب مجھ کو قبر میں رکھو تو میری داڑھی پر آٹا چھڑکا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لوگ دیکھ کر ہنس پڑے اور کہنے لگے یہاں بھی مسخراپن نہ چھوڑا دفن کردیا کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا تو کہا پیشی ہوئی تھی میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا تھا کہ ان اللّٰہ یستحی من ذی الشیسبة المسلم میرے پاس سفید داڑھی تو تھی نہیں۔ میں نے اس خیال سے اس کی نقل کرلی کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (۱) شاید اسی بنا پر مغفرت ہوجاوے چنانچہ مغفرت ہوگئی۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کے بالوں کا رنگ قدرتی سفید ہو ان کے لئے یہی امید رحمت ہے ویسے حق تعالیٰ بادشاہ ہیں جو چاہیں کریں ان کو روکنے والا کوئی نہیں، زبردست ہیں بہرحال رحمت کے آسان ذریعے بھی رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ قرب کی برکت روزمرہ بھی نصیب ہوسکتی ہے۔ خاص کر اس شب میں کہ شام ہی سے یہ دولت مل جاتی ہے۔ اگر دشوار کام کی توفیق نہ ہو (یعنی اخیر شب میں نہ جاگ سکیں) تو سہل ہی کو اختیار کرلیا جاوے وہاں تو ذراسی نیکی کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے دیکھئے رفع الاذی عن الطریق (۲) کو شعب ایمانیہ میں سے شمار کیا گیا ہے حالانکہ معمولی بات ہے۔

(۱) جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا انہی میں شمار ہوگا (۲) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کردینا۔

ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ چلا ہوا جا رہا تھا راستہ میں ایک ٹہنی جھک رہی تھی اس نے اس کو مسافروں کی تکلیف کے خیال سے کاٹ ڈالا محض اس بنا پر بخشش ہوگئی۔

رحمت خداوندی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالیٰ بندوں کو بہت ہی چاہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ نافرمانوں کو بھی نفع پہنچانے میں رحمت ہوجاتی ہے حیوانوں پر بھی رحم کرنے سے رحمت فرماتے ہیں چنانچہ ایک شخص کی بخشش کتے کو پانی پلانے سے ہوگئی تھی اسی لئے ذبیحہ کو راحت دینے کا حکم ہے کفار کو علاوہ زکوٰۃ کے صدقہ دینا جائز کردیا گیا ہے۔ ہاں جس کافر نے ضرر پہنچایا ہو اس کے لئے دوسرا حکم ہے واخرجوھم من حیث اخرجوکم موت کے وقت کافر کو پانی پلانا درست ہے کفار سے ملنے میں بھی رحمت کی رعایت کی گئی ہے کہ ان سے دوستی کا ملنا تو مت ملو مگر ویسے مل لو چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ﴾(۱) کتنی بڑی رحمت ہے کہ نافرمانوں پر بھی رحم کرنے کا حکم ہے اسی واسطے فرماتے ہیں: رحمتی وسعت کل شیء میری رحمت ہر شے پر محیط ہے۔

اگرچہ کفار پر آخرت میں رحمت خاص نہ ہوگی مگر رحمت ایک معنی کہ آخرت میں بھی ہوگی کیونکہ جس قدر عذاب کفار کو آخرت میں دیا جائے گا کفار اس سے زیادہ کے مستحق تھے اور حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے زیادہ پر قادر بھی ہیں مگر اس

(۱) سورۃ الممتحنۃ: ۷،۸۔

استحقاق سے وہ عذاب ہلکا ہی ہوگا غرض ان کی رحمت سے کوئی چیز خالی نہیں۔

شیطان کے مغالطات

اس کے متعلق ایک حکایت شیطان کی یاد آئی شیطان کی ملاقات حضرت سہل سے ہوئی اس نے کہا کہ میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوں کیونکہ ارشاد ہے کہ وسعت رحمتی کل شئی اور میں بھی شئی میں داخل ہوں حضرت سہل نے جواب دیا کہ آگے یہ بھی تو ہے ﴿فسا کتبھا للذین یتقون ﴾ جس کا ادنیٰ درجہ ایمان ہے پس ایمان کی قید بھی تو اس میں لگی ہوئی ہے۔ شیطان نے کہا کہ خدا کی صفات میں قید نہیں ہوتی وہ کسی قید کا مقید نہیں وہ خاموش ہو رہے مگر انہوں نے وصیت کی شیطان سے کوئی مناظرہ نہ کرے۔

واقعی شیطان کے مغالطات بھی عجیب ہیں اس نے منطق میں باب مغالطات ہی پڑھا ہے اور کچھ نہیں پڑھا نام بھی اس کا ابلیس ہے جو ماخوذ تلبیس سے اس لئے اگر وسوسے آئیں تو ان میں خوض نہ کرے(۱) کہ وہ بھی ایک قسم کا مناظرہ ہے مگر اس کے مغالطہ کا جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ قید ذات وصفات کی طرف راجع نہیں فعل کتاب یعنی توجیز وتقدیر کی طرف راجع ہے اور افعال الٰہیہ بوجہ حدوث کے خود ارادہ الٰہیہ سے مقید ہو سکتے ہیں۔

دوسرا جواب اس کے مقدمات کے ابطال سے قطع نظر کر کے یہ ہے کہ عذاب اور رحمت میں تنافی نہیں تجھ پر بھی باوجود تیرے جہنمی ہونے کے خدا کی رحمت ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ جتنا عذاب تجھ کو دیں گے تو اس سے زیادہ کا مستحق ہے اور ان کو اس سے زیادہ پر قدرت بھی ہے اس سے کم دینا یہ بھی رحمت

(۱) زیادہ غور نہ کرے۔

ہوا۔ بہرحال جب ان کی رحمت ایسی وسیع ہے آسان عمل پر بھی عطا ہو جاوے گی اس لئے تم دشوار عمل کا انتظار نہ کرو جو توفیق ہو کر لو۔ اگر آخری شب میں جاگ سکو تو اخیر میں ورنہ اول ہی میں سہی۔ مگر ایسا انتظام ہو کہ زیادہ حصہ جاگنے کا ہو پھر جس میں سہولت ہو خواہ اول میں خواہ آخر میں اس کو اختیار کر لو۔

سہولت کے متعلق ضعیف الہمت کے لئے ایک گر حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا ہے تو آپ آسان کو اختیار کر لیتے مجھ کو کہیں دیکھا ہوا یاد آتا ہے کہ شیخ اکبر جو کہ بے حد مجاہدہ کرنے والے ہیں اختلاف مسائل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں حلت وحرمت کا اختلاف ہو تو ظاہر تو یہ ہے کہ حرام کہنے والا زیادہ محتاط اور اقرب الی الدین ہو لیکن وہ کہتے ہیں کہ حلت کا فتویٰ دینے والا اقرب الی الرحمت ہے کیونکہ رحمت کا اصل اثر یسر ہے یہی راز ہے کہ معاصی کی سزا میں حلال کی تحریم تو ہوئی ہے مگر حرام کی تحلیل کبھی نہیں ہوئی لیجئے اہل مجاہدہ کے قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ مگر ہم شیخ اکبر کو کیوں لیں ہم نبی اکبر کو کیوں نہ لیں۔ حضور ﷺ کی خود یہی شان تھی کو ما خیر بین الشیئین الا اختار اھونھما (۱) (سنن أبی داؤد: ۴۷۷۵) جیسا اوپر مذکور ہوا۔

سہولت کی تعلیم

ایک کام کے دو طریقے ہیں ایک آسان اور دوسرا مشکل آپ ﷺ آسان طریقہ کو اختیار فرماتے خدا تعالیٰ کی عادت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے حق تعالیٰ کی قدرت کی یہ شان ہے کہ ان کے کن کہتے ہی چیز موجود ہو جاتی ہے اسی واسطے اگر آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اگر کن فرما دیتے تو سب اسی وقت تیار

(۱) حضور ﷺ کو جب دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار فرماتے۔

ہوجاتے کچھ بھی دیر نہ لگتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ چھ دن میں بنائے سب کام آہستہ آہستہ کئے علماء نے فرمایا کہ اس میں تعلیم ہے تثبت اور مہلت کی اور میں اس سے استنباط کرتا ہوں کہ اس میں تعلیم ہے سہولت کی بھی البتہ جس کام کا ایک ہی طریق ہو وہ تو صرف اسی طریق سے ہوگا۔ خواہ سہل ہو یا دشوار باقی جہاں دو طریق ہوں تو سہل ہی کو اختیار کرلے جیسے گھر کے دو راستے ہوں تو جو سیدھا راستہ ہو اس کو اختیار کرلے کہ اس میں سہولت ہوگی اور بعض دفعہ یہ بھی ہوا ہے کہ راستہ بظاہر تو دور معلوم ہوتا ہے مگر معنیً قریب معلوم ہوتا ہے کہ بے خطرہ ہے مصرعہ مشہورہ کا یہی محمل ہے۔

راہ راست بروگرچہ دور است (۱)

یعنی راست کی تفسیر بے خطرہ ہے، خط مستقیم نہیں ورنہ اس مصرعہ پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ راہ راست بھی فرمارہے ہیں اور دور بھی فرمارہے ہیں اس کے کیا معنی اس لئے کہ راہ راست تو خط مستقیم ہوگا (۲) جو مطلوب تک پہنچاتا ہو اور خط مستقیم سب خطوط واصلہ بین النقطتین سے چھوٹا ہوتا ہے پھر دور کہنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب وہی ہے جو اوپر کہا گیا کہ یہاں راستے کے معنی عرف کے موافق بے خطر کے ہیں گو وہ ظاہر میں کج (۳) ہی ہو مگر معناً راست ہے پس یہاں راست معنوی مراد ہے یعنی جس میں معنوی کجی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو راستہ بے خطرہ ہو گو ظاہر میں دور اس سے جانا چاہئے اور اس راستہ کو نہ جانا چاہئے جو بظاہر تو قریب ہو مگر پر خطر ہو کہ حقیقت میں وہی دور ہے۔

بہرحال ان کی ایسی رحمت ہے کہ آدمی تھوڑا سا بھی عمل کرے تو محروم نہیں رہتا اگرچہ تین دفعہ اللہ ہی کہنے کی توفیق ہوجاوے اس کو کہنا بھی مت

(۱) بے خطر راستہ سے جاؤ اگرچہ دور ہو (۲) سیدھا خط۔ دو نقطوں کو اگر مختلف خطوط کے ذریعہ ملایا جائے تو خط مستقیم سب سے چھوٹا ہوگا (۳) ٹیڑھا ہی ہو۔

چھوڑو۔ اگرچہ بے وضو ہی ہو۔

ایک واقعہ قیامت کے دن کا حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے گناہوں کے اعمال نامے منتہائے بصر تک ہوں گے اور وہ شخص اس پر مغفرت سے مایوس ہوگا اتفاق سے ایک ذرا سا پرچہ ان میں نکلے گا کہ اس کے رکھنے سے میزان حسنات کا پلہ وزنی ہوجاوے گا اس پرچہ میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا جس کو اس نے اخلاص سے کہا ہوگا اگرچہ ایک دفعہ ہی کہا ہو۔ دیکھئے ایک بار یک لا الٰہ الا اللہ کہنے سے کتنا فائدہ حاصل ہوا اگرچہ شبہ ہو کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ خلوص سے کہا ہوگا اور ہم میں خلوص نہیں ہے جواب یہ ہے کہ اگر خلوص بھی نہ ہو تب بھی کہنا بے کار نہیں کہنے سے استعداد تو ہوجاوے گی اور یہ اول بار ہی کہنا آئندہ عمل پر معین ہوجائے گا لہٰذا ادنیٰ عمل کو بھی بے کار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی نہ کسی عمل سے خالی نہ رہنے دو اسی لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہے کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی(۱)

عبادت شب برأت

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر ہر وقت کی قدر کرو، خاص کر ایسی شب کہ جس کا بیان ہورہا ہے ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعضی اوراد کی کتابوں میں پندرھویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔

باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لئے اس کی خاص حالت کے اقتضاء

(۱) اس بادشاہ سے کسی لمحہ غافل نہ رہو شاید وہ متوجہ ہو اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

سے اس کو تجویز کیا ہوگا اور اس کے حق میں یہی مصلحت ہوگا اب اس کو عام کر لینا یہ بدعت ہے۔ باقی بزرگوں کو برا نہ کہے غرض حدیث میں کوئی خاص عمل وارد نہیں چاہے قرآن شریف پڑھو، یا اللہ اللہ کرو یا نوافل پڑھو۔ خواہ وعظ کہو سنو۔ چنانچہ کانپور میں اس شب کے اندر ہم وعظ کہلواتے تھے۔ کیونکہ وعظ کے شغل میں جاگنا ذرا آسان ہوتا ہے اگرچہ بعض اس میں بھی سو رہتے ہیں۔

ایک شاہ صاحب تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ وعظ میں نیند آتی ہے اور ناچ میں نہیں آتی۔ انہوں نے جواب دیا کہ نیند پھولوں پر آیا کرتی ہے کانٹوں پر نہیں۔

مگر یہ ایک لطیفہ ہے حقیقت یہ نہیں ورنہ پاخانہ میں کیوں نیند آتی یہ وہاں پھول کہاں رکھے ہیں۔ دوسرے عبادات ظاہر میں پھول کہاں ہیں وہ تو نفس پر نہایت شاق اور گراں ہیں ان میں بظاہر حظ (۱) اور لذت نہیں اور کھیل تماشے نفس کے موافق ہیں اور ان میں حظ ہے اس بناء پر معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا بلکہ حقیقت اس کی دوسری ہے وہ یہ کہ نیند یکسوئی سے آتی ہے کھیل تماشے میں یکسوئی نہیں ہوتی ہر جزو میں جدا جدا لذت ہوتی ہے جس پر مستقل توجہ کی جاتی ہے۔ اس سے توجہ منقسم ہوجاتی ہے اس لئے نیند نہیں آتی۔ بخلاف نماز کے کہ جب اس کو شروع کر دیا چونکہ وہ ہم کو ایسی یاد ہوتی ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کی اس میں حالت ہی نہیں ہوتی جیسے گھڑی کو کوک بھر کر رکھ دی کہ بس ایک طریقہ پر چلتی رہتی ہے اس لئے بالکلیہ نماز توجہ کی متجدد (۲) کرنے والی کوئی چیز نہیں اس میں یکسوئی ہوجاتی ہے اس لئے نیند آجاتی ہے اسی طرح وعظ کو کہ جہاں شروع ہوگیا اور اس طرف کان لگ گئے۔ بس یکسوئی ہوگئی اور نیند آنے لگی اور کھیل تماشے میں توجہ ہٹی رہتی

(۱) مزہ (۲) توجہ کی تجدید کرنے والی۔

ہے یکسوئی نہیں ہوتی اس لئے نیند بھی نہیں آتی باقی شاہ صاحب کا کلام مخاطب کی خاص حالت کے اعتبار سے ایک لطیفہ ہے۔

تغافل و یکسوئی

خلاصہ یہ ہے کہ یکسوئی میں نیند آتی ہے اور اس میں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال شروع کر دیئے جاویں تا کہ توجہ منقسم رہے کچھ دیر نوافل پڑھ لئے، تلاوت کر لی ذکر کرنے لگے پھر وعظ شروع کر دیا یا سننے لگے مگر وعظ میں ایک خرابی ہوگئی ہے کہ لوگوں کا اجتماع ہو جاتا ہے تداعی بھی ہوتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ گھر کے لوگ جمع ہو کر عبادت کریں اور نیند کے دفع کے لئے متفرق عبادتوں میں مشغول ہوں کسی سے کوئی مختصر مباح بات بھی کر لی (جیسے کھانے کے ساتھ کبھی کبھی مربہ اور چٹنی کا بھی ذائقہ لے لیتے ہیں) اتنی بات کا مضائقہ بھی نہیں یہ نہ ہو کہ سارا وقت باتوں میں ہی گزار دیں کیونکہ نرا جاگنا ہی مقصود نہیں جیسے ایک فقیر کو میں نے دیکھا کہ محض جاگنے کے لئے افیون کھایا کرتا تھا جو خلاف شرع حرکت تھی۔ تو ایسے جاگنے سے کیا فائدہ سو ایسا تو نہ کرنا چاہیئے جاگنا تو عبادت کے لئے ہو مگر تجدید نشاط کے لئے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کر لے تو مضائقہ نہیں جیسے حضور ﷺ حضرت عائشہ k سے باتیں کر لیتے تھے۔ باتیں مقصود نہیں تھیں بلکہ طبیعت کی تازگی کے لئے ایسا فرماتے۔ اس طرح نفس کو خوش رکھ کر جاگے اور اگر تکان ایسا ہو جاوے کہ نیند سے بے قابو ہو جاوے تو سو رہے کیونکہ ارشاد ہے فلیرقد ایسی حالت میں سونے ہی میں فضیلت ہے۔ بہر حال عبدیت مطلوب ہے سونے میں ہو یا جاگنے میں اپنے کو سپرد خدا کر دے۔ جیسا حکم ہو، وہی کرے بس یہ حالت ہو۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو (۱)

---

(۱) اگر آپ زندگی دیں آپ کی عطا ہے اگر ماریں تو میری جان قربان ہے میں تو آپ کی محبت میں گرفتار ہوں جو آپ کا دل چاہے کریں۔

اور یہ حالت ہو جس کو مولانا فرماتے ہیں:

ہم چو کلکم درمیان اصبعین نیستم در صف طاعت بین بین (۱)

غرض اتباع نفس کے لئے کچھ نہ ہو محبوب کا جو حکم ہو وہ کرو۔ یہ ہے عبدیت اور باقی کوئی شے بالذات (۲) مقصود نہیں بعض اوقات نماز پڑھنا ممنوع ہوجاتا ہے اور سونا مطلوب ہو جاتا ہے۔ جیسے دوپہر کے وقت سونا اس غرض سے کہ اعانت ہو، شب بیداری میں معلوم ہوا کہ مقصود امتثال امر ہے (۳)۔

اس پر مجھے اس وقت ایک نکتہ عجیب یاد آیا جو آیت ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ کے متعلق ہے۔ اس کو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا یا تو آپ کے قلب پر وارد ہوا ہوگا یا اور کسی سے سنا ہوگا واللہ اعلم فرماتے تھے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ الخ میں سوال یہ ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والی علاوہ جن اور انس کے اور مخلوقات بھی تو ہیں جیسے فرشتے، پھر جن وانس کی تخصیص کیوں فرمائی۔

جواب یہ ارشاد فرمایا کہ عبادت کے معنی ہیں عبد شدن یعنی غلام شدن۔ یہ شان جن وانس ہی کی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ خدمتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک معین دوسرے غیر معین نوکر کی خدمت تو معین ہوتی ہے اور غلام کی معین نہیں ہوتی۔ غلام کی خدمت کھانا پکانے اور قلمدان اٹھانے اور پاخانہ کمانے سے لیکر نائب بن کر کسی صوبہ کا انتظام کرنے تک ہوتی ہے۔ یہ شان جن وانس ہی کی ہے کہ ان کی عبادت کوئی معین نہیں۔ وقت پر سونا ان کی عبادت پاخانہ جانا ان کی عبادت اور ان کا کسی شرعی حکم سے مارنا عبادت، کوئی کام ایسا نہیں کہ ان کے لئے عبادت نہ ہو۔ بخلاف دوسری مخلوق کے کہ وہ اپنی عبادات میں مشابہ اجیر (۴) کے ہیں جن کو

---

(۱) میں تو دو انگلیوں کے درمیان قلم کی مانند ہوں میں اطاعتوں میں فرق نہیں کرتا جو حکم ہو وہ کرتا ہوں جیسے قلم کو جو انگلیاں کہیں لکھتا ہے (۲) کوئی چیز اپنی ذات سے مقصود نہیں (۳) مقصود حکم کی بجا آوری ہے (۴) مزدوری۔

خاص کام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ پس یہ شان ہے عبد کی کہ جو اس کو حکم ہو وہ کرے حتیٰ کہ بعض دفعہ رخصت کو ترجیح ہوجاتی ہے اور عزیمت خلاف اولیٰ ہوجاتی ہے۔

ایک دفعہ ایک بزرگ بیمار تھے آپ نماز کے وقت احتیاطاً تیمّم نہیں فرماتے تھے دوسرے بزرگوں نے ان سے فرمایا کہ آپ سمجھے ہوں گے کہ میں بڑا کام کر رہا ہوں مگر قلب کو دیکھئے کہ تیمّم میں انشراح نہیں حالانکہ شریعت کا حکم اس موقع پر تیمّم کا ہے۔ پھر اس میں تنگی ہونا مزاحمت ہے احکام شرعیہ کی۔ اس وقت عزیمت تیمّم ہی ہے کیسی عجیب بات فرمائی۔ غرض عبدیت تو یہ ہے کہ جیسے حکم ہو ویسے کرے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازیں(۱)

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آسانی سے کام کرو۔ جس موقع پر عبادت کا حکم ہے عبادت کرو اور جہاں سونے کا امر ہے (۲) وہاں سوؤ۔ اس میں دن دونی اور رات چوگنی برکات ہوں گی۔ اسی قاعدہ سے اس شب کی برکات حاصل کرو۔

مکروہات شب برات

مگر لوگوں نے اس شب میں برکات چھوڑ کر بیہودہ حرکات اختیار کر رکھی ہیں۔ چنانچہ آتش بازی ایسی منکر حرکت ہے۔ نام ہی میں اس کے منکر ہونے کا اقرار ہے نام بھی ایسا ایجاد کیا گیا جس میں آتش بھی ہے اور بازی بھی ہے، نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہولعب ہے۔ بھلا آتش (۳) سے تلبیس ہونا بھی کوئی اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ سوتے وقت چراغ کو گل کردو جو کہ عادۃً دور ہی رکھا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی جلتا ہوا چھوڑنا پسند نہیں کیا کیونکہ خطرہ سے خالی نہیں اور اس کے متعلق واقعات بھی ہوگئے ہیں۔ پھر تلبیس

(۱) جب سلطان دین ہی مجھ سے طمع کے طالب ہیں تو اس وقت میں قناعت اختیار کرنے پر خاک ڈالتا ہوں
(۲) سونے کا حکم (۳) آگ۔

قریب تو ممانعت کیوں نہ ہوگئی واقعی بڑی خطرہ کی چیز ہے چنانچہ بہت سے واقعات اس کی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں کسی کا ہاتھ جل گیا، کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان خاک سیاہ ہوگیا اور اگر فرضًا کچھ بھی نہ ہوتو اتلاف (۱) مال تو ضرور ہے۔

زیادہ تر پیران (۲) نابالغ پر تعجب ہے جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشا دیکھیں مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے اس لئے بچوں کو آڑ بناتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ بچے نہیں مانتے۔ تماشوں میں بچوں کو ساتھ لے جاتے ہیں صاحبو ان بچوں کو کیوں بدنام کرتے ہو بلکہ تمہاری ہی گود میں ایک بچہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں وہ تم کو لے جاتا ہے۔ ظاہر میں بچوں کو پیسے دیتے ہیں اور مقصود خود تماشا دیکھنا ہوتا ہے اپنی غرض کے لئے اولاد کے اخلاق بگاڑ رہے ہو اور اگر سچ مچ وہی ضد کرتے ہیں تب بھی یہ عذر قابل قدر نہیں۔

دیکھو! اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہوکر گولہ چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکو گے نہیں۔ ضرور روکو گے اگر نہ مانے گا جبرًا روکو گے۔ اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا بس یوں کہو کہ گناہ کو برا ہی نہیں سمجھتے اگر تم خود معصیت کو برا سمجھتے تو بچوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے بھلا اگر بچے ضد کرکے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے پھر جس کو خدا اور رسول ﷺ نے مضر کہا ہے کیا وجہ ہے کہ اس کی عادت ڈالی جاتی ہے معلوم ہوا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے فرمانے کی وقعت نہیں۔

پھر یہ کہ مال تمہارا کہاں ہے سب خدا ہی کی ملک ہے تم محض خزانچی ہو تمہارے ہاتھ میں تو تحویل ہے تم ایسے ہو جیسے غلام ہوتا ہے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ○ (۳) وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۴)

ہمیں یہ اجازت نہیں کہ اس کو جیسے چاہیں خرچ کریں خدا کا مال ہے اس

(۱) مال کا ضیاع (۲) کم سمجھ بوڑھوں پر (۳) سورۃ المنافقون: ۷ (۴) سورۃ آل عمران: ۱۸۰۔

کی بابت قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا پس جب بچوں کو آتشبازی کے لئے پیسے دینا شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو ہرگز مت دو اور ضد کرنے پر مارو۔ کھیل تماشہ میں بھی ان کو مت کھڑے ہونے دو۔

بچوں کی عادتیں

صاحبو! بزرگوں نے تو بچوں کو ایسی ایسی عادت ڈالی ہیں جس سے ان کو دولتیں مل گئیں اور تم ایسی عادتیں ڈالتے ہو جس سے دنیا اور دین دونوں تباہ ہوں۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کا ایک لڑکا تھا بالکل بچہ کم سن، انہوں نے بی بی سے ابتداء ہی سے کہہ رکھا تھا کہ اگر یہ کوئی چیز مانگے تو اپنے ہاتھ سے مت دو، بلکہ اس کی ضرورت کی چیزیں ایک جگہ اس سے مخفی کر کے رکھ دو(۱)، جب یہ کوئی چیز مانگے تو اس سے کہہ دو کہ وہاں جا کر اللہ میاں سے مانگو اور ہاتھ ڈال کر لے لو تاکہ اس کا یہ اعتماد ہو جاوے کہ اللہ میاں ہی نے دی ہے چنانچہ بی بی نے ایسا ہی کیا ایک روز اتفاقاً اس کے لئے کھانا رکھنا بھول گئی۔ اس روز بھی بچے نے حسب معمول اللہ میاں سے کھانا مانگا اور ہاتھ ڈالا تو کھانا غیب سے پیدا ہو گیا ان بزرگ کو خبر ہوئی۔ کہنے لگے بحمد اللہ! میں اس ہی حالت کا منتظر تھا اس کے بعد تمام عمر اس بچہ کی یہی حالت رہی کہ جب اس کو ضرورت ہوتی خدا تعالیٰ سے مانگتا اور وہ چیز مل جاتی ان بزرگ نے بچپن ہی میں اس کو صاحب کمال بنا دیا۔

خیر ہم ایسے نہ ہوں تو بچوں کو معاصی (۲) میں تو مبتلا نہ کریں۔ غرض یہ ہے کہ اس بارے میں نہایت اہتمام کی ضرورت ہے۔

اصلیت آتش بازی

اس آتش بازی کی اصل دیکھی جاوے تو یہ نکلتی ہے کہ برانکہ ایک قوم ہے یہ اصل

(۱) چھپا کر رکھو دو (۲) گناہوں میں۔

میں آتش پرست تھے پھر اسلام لے آئے۔ ان میں اچھے لوگ بھی تھے مگر بعض میں آتش پرستی کا مادہ موجود تھا۔ یہ فعل ان کا ایجاد کیا ہوا ہے تا کہ اس بہانہ مرکز کی طرف توجہ رکھیں پھر دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی اس کو اختیار کرلیا۔ جب ماخذ اس کا مادہ کفر ہے تو یہ شعبہ کفر کا ہوا اس کو دوسری معصیتوں سے زیادہ اہتمام کے ساتھ چھوڑ دینا چاہئے اور خیر یہ معصیت تو پھر برنگ معصیت ہی ہے کرنے والے بھی اس کو برا ہی سمجھتے ہیں۔

ایک معصیت برنگ عبادت ہے یعنی اس تاریخ کو تہوار منایا جاتا ہے۔

ہاں اس سے انکار نہیں کہ یہ عبادت کی رات ہے مگر اس میں صرف اتنا منقول ہے کہ حضور ﷺ اس رات میں قبرستان میں تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لئے استغفار فرمایا (اور وہ فی ماثبت بالسنة من روایت عائشة بطریق ابن ابی شیبة والترمذی وابن ماجه وثبت طرق البیهقی)۔

اس سے زیادہ منقول نہیں کھانے میں توسیع بھی کہیں منقول نہیں جیسے عاشورہ میں بعض روایات وارد ہیں مگر لوگوں نے اس میں حلوے کا اختراع کیا ہے اس کے بارے میں عجیب عجیب روایات گھڑی ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ h کی اس تاریخ کو وفات ہوئی تھی یہ ان کی فاتحہ ہے یہ واقعہ تاریخ کے بالکل ہی خلاف ہے کیونکہ وفات حضرت حمزہ h کی شعبان میں نہیں ہوئی بلکہ شوال میں ہوئی ہے۔ اگر کہو کہ وفات گو شعبان میں نہیں ہوئی مگر جو شعبان بعد میں آیا تھا اس میں ان کی فاتحہ دلائی گئی تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو اتنے دنوں بعد فاتحہ کیسی پھر تم اس کا ثبوت دو کہ شعبان میں ان کی فاتحہ دلائی گئی تھی اور یہ بھی ثابت کرو کہ اس میں حلوہ ہی پکا تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ اس تاریخ میں دندان مبارک شہید ہوا تھا اور آپ ﷺ نے حلوہ کھایا تھا۔ اس لئے کرتے ہیں تو یہ بھی محض لغو ہے کیونکہ یہ واقعہ

شہادت دندان کا بھی شوال ہی میں ہوا تھا۔

غرض یہ باتیں بالکل گھڑی ہوئی ہیں۔ حضور ﷺ سے جتنا ثابت ہے اس سے صرف اس قدر ثابت ہوسکتا ہے کہ مردوں کو اس رات میں نفع پہنچاؤ۔ اس سے صرف اتنا نکلے گا کہ مُردوں کو ثواب بانٹ دو باقی اور پابندیاں کوئی چیز نہیں۔ ثواب پہنچانے کے لئے قرآن شریف پڑھو، نماز پڑھو، خیرات بھی چاہو کردو۔ مگر حلوے کی تخصیص کیسی کچا اناج بھی کافی ہے، پیسے بھی کافی ہیں۔

بعض لوگ اس میں یوں کہتے ہیں کہ حلوے کے لئے بچے ضد کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ چار دن پہلے پکالو اس دن نہ پکاؤ بعض شہروں میں شب برأت سے ایک دن پہلے عرفہ مشہور ہے کہ شب برأت میں تو پرانے مُردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں اور ایک دن پہلے جدید مردوں کو تاکہ وہ پرانے مردوں میں شامل ہوجائیں ورنہ شامل نہیں کئے گئے۔ بھلا بتلائیے اس کی کیا اصل ہے اگر علماء ایسی بے اصل باتوں کو منع کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ مولوی وہابی ہوگئے۔

صاحبو! ان رسموں کی کوئی اصل نہیں۔ غرض اس رات کے احکام یہ ہیں جو بیان ہوئے اور دن کے احکام یہ ہیں کہ روزہ رکھو یعنی پندرھویں تاریخ کو۔ جواب کی روایت(۱) کے حساب سے اتوار کا دن ہوگا وہی روزہ کا دن ہوگا حدیث میں ہے کہ قوموا لیلھا وصوموا نھارھا بس اس تاریخ کے متعلق صرف یہ حکم ہے یہ بیان قصداً اس لئے کیا گیا کہ وہ رات آنے والی ہے۔

شعبان کی فضیلت

اس قدر اور کہتا ہوں کہ یہ مقدمہ ہے رمضان کا میرا تو ذوق یہ کہتا ہے کہ رمضان شریف میں جو جاگنا ہوگا۔ اس شب کا جاگنا اس کا نمونہ ہے اور یہ صوم ایام

(۱) اس مرتبہ جو چاند نظر آیا ہے اس کے اعتبار سے پندرھویں تاریخ اتوار کا دن ہوگا۔

رمضان شریف کا نمونہ ہے پس دونوں نمونے رمضان کے ہیں ان نمونوں سے اصل کی ہمت ہوجاوے گی پھر اس صوم کے بعد جو صوم سے منع فرمایا اس میں حقیقت میں رمضان کی تیاری کے لئے فرمایا ہے کہ جب شعبان آدھا ہوجاوے تو روزہ مت رکھو۔ مطلب یہ کہ سامان شروع رمضان کا اتنا کھاؤ پیٔو اور رمضان کے لئے تیار ہوجاؤ اور یہ امید رکھو کہ روزے آسان ہوں گے۔

جب معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں میں آسانی مطلوب ہے تو اس کی ذیل میں ایک عمدہ تدبیر آسانی کی میں بتلاتا ہوں وہ یہ کہ روزہ میں یہ تذکرہ ہی مت کرو کہ آج گرمی ہے، پیاس بہت لگ رہی ہے، بھوک زیادہ ہے، دل گرا جاتا ہے، ضعف بہت ہوگیا ہے۔ یہ تذکرے بالکل نہ کرو اس طرح روزہ بالکل نہ معلوم ہوگا۔ یہ بدون دودھ گھی کے تدبیر ہے میں اس کے تجربہ کا طریقہ بتلاتا ہوں کہ ایک روزہ تو اس طرح رکھو کہ اس میں اس قسم کے تذکرے نہ کرو۔ اور دوسرا ایسا رکھو کہ جس میں ایسے تذکرے کرو دونوں میں بڑا فرق پاؤ گے۔

ایک عرض رمضان کے سامان کے لئے یہ ہے کہ ابھی سے گناہوں کو چھوڑ دو اگر اب بھی مبتلا رہوگے تو رمضان میں کیسے چھوڑو گے، خصوص غیبت خاص اہتمام سے چھوڑ دو خصوصاً عورتوں کو اس کے اہتمام کی زیادہ ضرورت ہے اور باقی جتنی بھی باتیں ناجائز ہیں سب چھوڑ دو جن کی کمائی اچھی نہیں وہ ایسی کمائی چھوڑ دیں کیسا افسوس ہے کہ روزہ حرام غذا سے افطار ہو اول تو ایسی کمائی بالکل چھوڑ دیں اور اگر اس میں گرفتار ہی ہیں اور مجبوری ہے تو کم از کم رمضان کے لئے تو نیک کمائی کا اہتمام کرلیں۔

میں اس کا ایک طریقہ بتلاتا ہوں اگرچہ بتلانے کو جی تو چاہتا نہیں کیونکہ

لوگ کچھ سے کچھ سمجھ جاتے ہیں مگر اس لئے بتاتا ہوں کہ لوگ رمضان میں تو حرام خوری نہ کریں صورت اس کی یہ ہے کہ تمہارے پاس جو کمائی حرام ہو اس سے برتنے کی چیزیں مت خریدو کسی سے روپیہ قرض لیکر اس سے خریدلو چاہے قرض پھر اپنے اسی مال سے ادا کر دینا یہ کرخی کا قول ہے بہتر ہے کہ بنئے کا قرض لے لیں تا کہ بوقت ادائیگی کوڑا کوڑے میں جائے۔

حرام حلال کی تمیز

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جیسے حرام کھانا ناجائز ہے۔اسی طرح سے دوسرا انتفاع بھی حرام ہے اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں ایک صاحب تھے وہ رشوت کے مال سے کھاتے تو نہ تھے مگر جوتا پہن لیتے تھے غرض لوگوں نے عجب عجب گھڑت کی ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم بری ہو گئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کھانا بھی ایسے مال کا حرام اور منتفع (۱) ہونا بھی حرام۔

یہ احکام مجملاً رمضان اور شعبان کے بیان کردیئے گئے ایک تو مبارک تاریخ کا ذکر یعنی شعبان کی پندرھویں کا روزہ اور اس کے بعد مبارک ماہ کا ذکر یعنی رمضان شریف کا تو یہ نور علیٰ نور ہو گیا۔ (۲)

(۱) فائدہ اٹھانا (۲) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

خلیل احمد تھانوی

اپریل ۲۰۱۴ء